

- نوجوان اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کریں
- قوم کے لئے قربانی بھی عزت کا موجب ہے
- سادہ زندگی اختیار کرنے کا مطالبہ
- قومی فرائض سے ایک اہم ترین فرض بچوں کی صحیح طریق پر پرورش کرنا بھی ہے
- بچوں کو روزہ رکھنے، نماز کی ادائیگی کے لئے توجہ کرنی چاہیے
- ورزش کی عادت ڈالنی چاہیے
- بچوں کو محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ دسمبر ۱۹۴۰ء)

نوجوان اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کریں اور ثواب کے اس غیر معمولی موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے ہمیشہ ہی کھلے رہتے ہیں۔ مگر انبیاء کے زمانہ میں ایسے کھلتے ہیں کہ دوسرے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انبیاء کے زمانہ میں غیر معمولی طور پر یہ دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اس زمانہ کی قربانیاں بہت قیمت رکھتی ہیں۔ مسلمانوں میں ایسے بادشاہ بھی گذرے ہیں جنہوں نے بادشاہتیں ترک کر دیں اور فقیر ہو گئے۔ مگر اکثر لوگ ان کے نام سے بھی آگاہ نہیں ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے ہزار دو ہزار روپے کی جائیدادیں دیں اور سب لوگ اس قربانی سے واقف ہیں۔ مالی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ان سے بہت زیادہ قربانیاں کرنے والے بھی موجود ہیں۔ مگر ان کی وہ قدر و منزلت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے حالات میں بڑا فرق ہے۔ جب بعض بادشاہوں نے بادشاہتیں چھوڑیں۔ تو اس وقت مسلمان بادشاہ تھے اور بادشاہت چھوڑنے والے یہ جانتے تھے کہ ہماری اس قربانی سے ہماری قوم نقصان کو نہیں پہنچے گی۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جب قربانی کی تو جانتے تھے کہ بظاہر وہ اپنا اور اپنی اولاد کا خون کر رہے ہیں۔ اسی طرح آج جو نوجوان سلسلہ کے لئے زندگی وقف کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسا شخص جو تیرنا نہ جانتا ہو، سمندر میں کود پڑتا ہے۔ اس وقت چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں اور اس لئے دین کا کام کرنا بڑی بہادری کی بات ہے۔ بزدل تو سمجھے گا کہ میں مارا جاؤں گا۔ مگر جس کے دل میں ایمان ہے اور جرات ہے وہ سمجھتا ہے، میں سمندر میں گر کر ہلاک نہیں ہو رہا بلکہ حفاظت اسلام کی مضبوط عمارت کی بنیادی اینٹ بن رہا ہوں۔ اس لئے اس کی یہ قربانی اپنے ساتھ ایسی برکات رکھتی ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسری قربانی نہیں کر سکتی۔ کون شخص ہے جو آج اسے عقلمند کہے گا جو احمدیت کے لئے قربانی کرتا ہے۔ اس وقت تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ چند پاگل لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں، دنیا کا مقابلہ کر لیں گے۔ لیکن مومن سمجھتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز آئی ہے۔ جس کا میں جواب دے رہا ہوں۔ یہ تو علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کامیابی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ وعدہ نہ بھی ہو تو بھی میرا فرض ہے کہ اس آواز پر لبیک کہوں۔ دنیا میں کئی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ مائیں اپنے بچوں کے لئے مرجاتی ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بچہ بیمار ہوا۔ ماں اس کی تیمارداری کرتی رہی۔ بچہ تو صحت یاب ہو گیا مگر ماں مر گئی۔ کیا یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ماں کو اس خدمت کے صلہ کی امید ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور جب ایک ماں اپنے بچے کے لئے بغیر کسی صلہ کے، لالچ کے جان دے سکتی ہے۔ تو کیا مومن ہی خدا تعالیٰ کے لئے کسی بدلہ کے خیال کے بغیر قربانی نہیں کر سکتا۔

پس یہ غلط ہے کہ مومن اس لئے قربانی کرتا ہے کہ اسے قوم کے لئے قربانی بھی عزت کا موجب ہے ترقیات کی امید ہوتی ہے۔ اگر ترقیات کے وعدے نہ

ہوتے۔ فرض کرو حیات بعد الموت نہ ہو۔ جنت دوزخ بھی نہ ہو تب بھی مومن خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنے میں کبھی تامل نہ کرے گا۔ عام لوگ جو قوم کے لئے قربانیاں کرتے ہیں یا ملک کے لئے کرتے ہیں۔ کیا ان کو یقین ہوتا

ہے کہ مرنے کے بعد اس کا کوئی صلہ انہیں ملے گا۔ سو میں سے ایک بھی اس بات کا قائل نہ ہو گا۔ مگر پھر بھی دیکھو لوگ کس طرح جانیں دیتے ہیں۔ پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مومن کی قربانی صلہ کے لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انبیاء کے ابتدائی زمانہ میں تو صلہ کی امید کا خیال بھی غلطی ہے۔ اس لئے یہ زمانہ قربانی کے لئے بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ دوسروں کی قربانیاں ملک و قوم کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر ان کی قربانیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم نے ملک کے لئے قربانیاں کیں اور تم جانتے تھے کہ تمہارا ملک شوکت و عظمت رکھتا ہے، اس کے لئے قربانی تمہارے لئے عزت کا موجب ہے۔

قوم کے لئے قربانی بھی عزت کا موجب ہے۔ جو لوگ قوم کے لئے مرجاتے ہیں ان کی کس قدر عزت ہوتی ہے۔ ایسی موت تو آدمی کو قومی لیڈر بنا دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اولاد کے لئے بھی ترقی یافتہ قومیں انتظام کرتی ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو یہ تو اطمینان ہوتا ہے کہ ہماری اولاد خراب نہ ہوگی۔ سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ کسی سے کسی کی دشمنی ہوتی ہے مگر وہ کسی چوہڑے وغیرہ سے اپنے دشمن کو قتل کرا دیتا ہے۔ زمیندار کہتا ہے کہ فلاں آدمی کو مار ڈالو۔ اول تو میں تمہیں مقدمہ سے بچانے کی کوشش کروں گا لیکن اگر سزا پا جاؤ گے تو تمہارے بیوی بچوں کے گذارہ کا انتظام کروں گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اول تو ضروری نہیں کہ میں پکڑا جاؤں اور اگر پکڑا جاؤں تو سزا بھی پا جاؤں اور اگر سزا بھی ہو جائے تو کیا ہے؟ بیوی بچے تو آرام سے گزارہ کریں گے اس لئے اس لالچ میں آ کر وہ یہ فعل کر لیتا ہے۔ پس لوگ ایسی قربانیاں کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ ملک و قوم کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ مگر ان کو اپنی اس قربانی کی کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس کا صلہ ان کو یا ان کے بیوی بچوں کو ملے گا اور ایسی قربانیاں مشکل نہیں۔ لیکن دین کے لئے آج قربانی کرنا مشکل ہے کیونکہ موجودہ حالات میں یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس رستہ پر چلنا ایسا ہی ہے جیسے انسان دریا کے ایسے کنارے پر چلے جو اندر دھنستا جا رہا ہو اور گرتا جاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے کنارے پر کوئی ظاہر بین کبھی عمارت نہیں بنایا کرتا۔ کیونکہ دریا کا پانی وہاں غار بنا رہا ہوتا ہے۔ ایسی جگہ عمارت بنانا کسی ہمت والے کا ہی کام ہے۔ پس یہی وقت قربانی کا ہے۔ جو نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں۔ چاہئے کہ ان کا اخلاق اور عملی نمونہ اچھا ہو اور وہ پختہ عزم کر کے آئیں۔ میری غرض ان واقفین سے یہ ہے کہ ان میں سے ہی قاضی تیار کروں۔ ان میں سے ہی مفتی تیار کروں اور ان میں سے ہی مدرس ہوں اور ان میں سے ہی مربی اور تعلیم و تربیت دینے والے ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جو نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں۔ وہ اخلاقی طور پر اپنے آپ کو مفید وجود بنائیں۔ جب ان میں سے کسی کو قاضی بنایا جائے تو وہ ایسا نمونہ دکھائے کہ لوگ تسلیم کریں کہ وہ انصاف سے کام کرتا ہے۔ جب کسی کو مفتی بنایا جائے تو لوگ محسوس کریں کہ اس نے جو فتویٰ دیا ہے، صحیح ہے اور جب کوئی مربی بنے تو لوگ محسوس کریں کہ وہ جو بات بھی کرتا ہے، خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر کرتا ہے نہ کہ دشمن کو زیر کرنے کے لئے۔ یہ نہ ہو کہ وہ نفسانی رویوں میں بہہ جائے۔ دراصل تسخرو ہی کرتا ہے جو دلیل نہیں دے سکتا۔ یہ چیز اس کی علمی

کمی کا ثبوت ہوتی ہے۔ بے شک لطیفہ گو اور تمسخر کرنے والا بعض اوقات مجلس پر چھا جاتا ہے۔ لیکن اس مجلس سے نکلنے کے بعد اس کے اپنے دل پر بھی اور سامعین کے دل پر بھی زنگ لگا ہوا ہوتا ہے۔ بے شک اس وقت وہ مجلس کو خوش کر لیتا ہے۔ مگر جب وہاں سے نکلتا ہے تو خدا تعالیٰ کو چھوڑ چکا ہوتا ہے اور شیطان اس کی گردن پر سوار ہو چکا ہوتا ہے۔ حقیقی مبلغ وہی ہے جس کے دل میں ہار جیت کا کوئی سوال نہ ہو۔ جس کو ہر وقت یہ خیال رہے کہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل گرفت ہو۔ کئی دفعہ پہلے بھی یہ واقعہ میں سنا چکا ہوں کہ جس زمانہ میں مولوی محمد حسین صاحب تعلیم حاصل کر کے بٹالہ آئے۔ تو ان کے خلاف بہت شور تھا کہ پیروں فقیروں کے منکر ہیں۔ لوگ ان کی بہت مخالفت کرتے تھے۔ انہی دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے گئے۔ بعض خفیوں نے سوچا کہ ہمارے ایک حنفی عالم آگئے ہیں۔ ان کو مولوی محمد حسین صاحب کے مقابلہ پر لے چلیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے تھے۔ آپ سے لوگوں نے کہا تو آپ نے فرمایا۔ اچھا چلتے ہیں۔ اگر کوئی بات ہوئی تو کریں گے۔ لوگ مجلس میں اکٹھے ہوئے۔ آپ بھی تشریف لے گئے۔ آپ فرماتے کہ ہم کو اہلحدیث کے متعلق زیادہ واقفیت اس زمانہ میں نہ تھی۔ اس لئے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے عقائد کیا ہیں تاکہ بحث سے پہلے یہ تو معلوم ہو کہ آپ کتے کیا ہیں؟ مولوی محمد حسین صاحب نے کھڑے ہو کر بیان کیا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ رسول ﷺ کو مانتے ہیں۔ قرآن کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں۔ قرآن کریم کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔ اور حدیث کو خیالی آراء پر مقدم کرتے ہیں۔ غالی اہلحدیثوں کا عقیدہ تو اس سے سخت ہوتا ہے مگر ممکن ہے مولوی محمد حسین صاحب نے مصلحت وقت کے ماتحت یہ بات کہہ دی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ باتیں سکر فرمایا کہ یہ باتیں تو بالکل معقول ہیں۔ میں ان کا جواب کیا دوں۔ چونکہ اس جواب سے خفیوں کو کچھ ذلت محسوس ہوئی۔ اس لئے انہوں نے بہت برا بھلا کہنا شروع کیا اور طنزیں کرنے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہم وہاں سے آگئے اور خاص اللہ کے لئے بحث کو ترک کیا گیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترک بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ”تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا۔ اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے“ (تذکرہ صفحہ ۹) پس میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے جو مرئی تیار ہوں، وہ بھی تقویٰ کے ماتحت کام کریں۔ سنجیدگی کا دامن کبھی نہ چھوڑیں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو ہمیشہ مد نظر رکھیں۔ ان کا مقصد بحث کبھی نہ ہو۔ بلکہ ایسا نمونہ پیش کریں کہ دوسروں میں جو خرابیاں ہیں، وہ دور ہو سکیں اور ایسی سد سکندری کا کام دیں جو یا جوج ماجوج کے حملوں کو روک دے۔ پس اس کام کے متعلق اپنی زندگیاں وقف کرنے کی تحریک میں جماعت کے نوجوانوں کو کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس کے لئے گریجوایٹ کی شرط ہے۔ لیکن اگر کوئی آخری سالوں میں تعلیم پارہا ہو تو وہ بھی اپنا نام پیش کر سکتا ہے۔ وہ اپنی تعلیم جاری رکھے۔ پاس ہونے کے بعد انتخاب کے لئے ہم اسے بلا لیں گے۔ انٹرنس پاس مولوی فاضل بھی اپنے نام

دے سکتے ہیں۔ اور اسی طرح یہاں کے سکول میں تعلیم پانے والے وہ میٹرک جنہوں نے سائنس کی ہوئی ہو۔ باہر میٹرک پاس کرنے والے کام نہیں دے سکتے۔ کیوں کہ یہاں پڑھنے والوں کو تھوڑا بہت قرآن کریم اور عربی آجاتی ہے، باہر نہیں۔ پس ایسے نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں۔ طالب علم بھی اپنے نام پیش کر سکتے ہیں جنہیں امتحان پاس کرنے کے بعد انتخاب کے لئے بلا لیا جائے گا۔ پس نوجوان اپنے آپ کو ان شرائط کے ماتحت وقف کریں تا اس جماعت کو اور آگے بڑھایا جاسکے۔

دوسری بات جس کی طرف میں جماعت کے دوستوں کو اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ سادہ سادہ زندگی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات دنیا میں پیدا کر دیئے ہیں کہ جن لوگوں کی نقل کر کے ہمارے ملک کے لوگ عیش پرستی میں مبتلا ہوئے۔ وہ جنگ کے مصائب میں مبتلا ہو کر مجبوراً سادگی اختیار کر رہے ہیں۔ اور اب تو ان کی سادگی ہماری اختیار کردہ سادگی سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ ہم نے یہ تو کہا ہے کہ ایک سالن کھاؤ۔ مگر یہ نہیں کہا کہ چار پھلکے ہی کھاؤ۔ مگر یورپ کے ممالک میں تو اب آٹے کا راشن ملتا ہے۔ ایک شخص مقررہ مقدار سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ ہم نے سالن میں گھی ڈالنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ کوئی شخص جتنا ڈال سکے ڈالے۔ مگر وہاں تو ایک چھٹانک سارے ہفتہ کے لئے مل سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں اور وہ گھی کی صورت میں نہیں بلکہ کچھ گھی، کچھ تیل اور کچھ چربی ہوتی ہے۔ اندازاً دو تولہ چربی۔ دو تولہ تیل اور ایک تولہ مکھن ملتا ہے۔ یہی حال لباس اور دوسری چیزوں کا ہے۔ جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمیں کس قدر سادگی کی ضرورت ہے۔ پس دوستوں کو ہمیشہ ایک کھانے کا التزام رکھنا چاہئے۔ ہاں جمعہ کے روز یا مہمان وغیرہ آنے پر دو ہو سکتے ہیں یا مہمان کی عادت کے مطابق اس کے لئے انتظام ہو سکتا ہے۔ غیر احمدی معززین آجائیں۔ تو کئی کئی کھانوں کے بغیر ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اجازت ہے ورنہ ایک پر ہی کفایت کرنی چاہئے۔ اور پھر اس میں بھی سادگی کا پہلو مد نظر رکھنا چاہئے تا غریب بھائیوں اور دوسروں میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی کھانا کھائے مگر روزانہ پلاؤ ہی کھاتا رہے۔ مگر یہ بھی جائز نہیں اور پھر اس سے صحت بھی خراب ہو جائے گی۔ انسان کی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے چاول، گوشت، پھل، سبزی وغیرہ ہر چیز ضروری ہے اور ان سب چیزوں کا استعمال ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ روز ایک ہی چیز کھائی جائے۔ جو شخص کہے کہ میں روز ہی روغن جوش استعمال کروں گا، وہ اسراف کے علاوہ بیمار بھی ہو جائے گا۔ ایک دوست کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ ان کی صحت بہت خراب رہتی تھی۔ کئی علاج کئے مگر آرام نہ ہوا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ان دنوں ابھی ہٹیا لہ میں تھے یہاں نہ آئے تھے۔ وہ ان کے پاس گئے۔ وہاں سے انہوں نے لکھا کہ اب مجھے افاق ہے اور یقین ہو گیا ہے کہ اچھا ہو جاؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے میری بیماری سمجھ لی ہے۔ اصل بات یہ تھی ان کو متواتر کثرت کے ساتھ مرغن کھانے کھانے سے تکلیف تھی۔ تو اس قسم کی غذائیں صحت کو برباد کر دیتی ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں روزانہ گھی پیا کروں گا تا موٹا ہو جاؤں گا تو اس کا دماغ مارا جائے گا۔ پس ایک کھانے میں بھی

سادگی ضروری ہے۔ سادگی قوم کو مستقل طور پر قربانی کرنے کے لئے تیار کر دیتی ہے۔ اس سادگی میں لباس کی سادگی بھی شامل ہے۔ زیور کی بھی۔ میرے سامنے کئی مثالیں ہیں کہ بعض دوست پہلے سے بڑھ کر اب قربانیاں کرنے کے قابل ہو گئے۔ پہلے ان کے اخراجات زیادہ تھے مگر سادگی اختیار کرنے کی وجہ سے اخراجات کم ہو گئے اور وہ زیادہ قربانی کرنے کے قابل ہو گئے۔ پس سادہ زندگی اختیار کرنے سے دین کے لئے زیادہ قربانی کی توفیق حاصل ہو سکتی ہے اور اس طرح سے عورتیں اور بچے بھی ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ غذا میں کمی کر کے بچوں کی صحت خراب کر دی جائے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قومی فرائض سے ایک اہم ترین فرض بچوں کی صحیح طریق پر پرورش کرنا بھی ہے کیونکہ قوم کا آئندہ بوجھ ان کے کندھوں پر پڑنے والا ہوتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہوں تو اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکیں گے۔ اس لئے ان کو خوراک پوری دینی ضروری ہے۔ ہاں اس میں سادگی کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور فضول خرچی کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے۔ ان کو دینی ارکان کا پابند بنایا جائے۔ بلوغت سے قبل کبھی کبھی روزہ بھی رکھوانا چاہئے۔ اس سے ان کی صحت خراب نہیں ہوتی بلکہ یہ صحت کے لئے فائدہ بخش چیز ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ بچوں کو نماز کے لئے نہیں جگاتے۔ وہ سمجھتے ہیں ابھی نیا نا (بچہ) ہے۔ یہ درست نہیں ان کو نمازوں کی باقاعدگی کا عادی بنانا چاہئے۔ پھر ورزش کی عادت بھی ڈالنی چاہئے۔ کئی لوگ شکایت کرتے ہیں کہ خدام الاحمدیہ والے ورزش کراتے ہیں۔ یہ شکایت ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کو جو دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے کہا کہ اٹھ کر سایہ میں ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا کہ کیا دو گے۔ بچوں کے ورزش کرنے سے خدام الاحمدیہ والوں کو کیا ملتا ہے۔ اس سے تمہارا ہی فائدہ ہے کہ تمہارے بچوں کی صحت درست ہو جائے گی۔ اخلاق درست ہوں گے اور چستی و چالاکی پیدا ہوگی۔ اگر وہ تندرست و توانا ہو کر زیادہ کمائیں گے۔ تو کیا خدام الاحمدیہ والوں کو کچھ دے دیں گے۔ ہمارے ملک میں بچوں کو محنت کا عادی نہیں بنایا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر بھی نکتے ثابت ہوتے ہیں۔ یورپ میں بچوں کو محنت کا عادی بنایا جاتا ہے جس سے بڑے ہو کر بھی وہ کام کے قابل ہوتے ہیں۔ پس دوست اس بات کا خیال رکھیں کہ جہاں بچوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے کہ ان کی صحت بگڑ جائے۔ وہاں ان کی تربیت کا بھی خیال رکھا جائے۔ انہیں محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے۔ مشکلات کے برداشت کرنے کی مشق کرائی جائے اور انہیں اپنے اوقات کو ضائع کرنے سے روکا جائے۔ کیونکہ جن نوجوانوں میں یہ عیوب ہوں وہ ملک، قوم بلکہ ساری دنیا کے لئے مصیبت کا موجب ہوتے ہیں اور جو شخص تمہارے بچہ کی ایسی تربیت کرنے میں مدد دیتا ہے جس سے وہ محنت اور مشقت کا عادی ہو۔ وہ تمہارا دشمن نہیں بلکہ دلی دوست ہے اور اگر تم اسے چھوڑتے ہو تو پھر کوئی دوست تمہیں نہیں ملے گا۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ دسمبر ۱۹۴۰ء مطبوعہ ”الفضل“ ۶ جولائی ۱۹۶۰ء)